السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا سماج میں برائیوں کی روک تھام کے لیے قوت وطاقت کا استعمال کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں فرمایا گیا ہے:

(مَن رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ" (مسلم "

''تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ بہ زور طاقت اس کی روک تھام کرے۔ جو ایسا نہیں کر سکتا اسے چاہیے کہ اپنی زبان سے روک تھام کرے اور جو ایسا بھی کرنے پر قادر نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دل میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اس حدیث کی بنیاد پر بعض جذباتی قسم کے دین دار حضرات سماجی برائیوں کی روک تھام کے لیے قوت وطاقت کے استعمال پر اصرار کرتے ہیں خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں اور اگر حکومت چند خرابیوں میں ملوث ہے برائیوں کی ترویج کر رہی ہے تو یہ لوگ حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیوں پر اتر آتے ہیں اور اس راہ میں انھیں جو نقصانات ہوتے ہیں یا جان چلی جاتی ہے تو اسے اللہ کی راہ میں شہادت تصور کرتے ہیں۔ جب کہ بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ سماج میں برائیوں کی روک تھام انفرادی ذمے داری نہیں بلکہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کیوں کہ برائیوں کی روک تھام کے لیے اگر ہر شخص انفرادی طور پر اپنی طاقت وقوت کا استعمال شروع کر دے تو معاشرہ میں برائیوں کی روک تھام کے بجائے فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا۔

اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امید ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب دیں گے۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

بلاشبہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا جسے شریعت کی اصطلاح میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہتے ہیں دین کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ یہ وہ فریضہ اور وصف ہے جس کی وجہ سے اس امت کو بہترین امت کا خطاب دیا گیا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ... ١١٠ ... سورة آل عمران

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کیے گئے ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور جس اُمت نے اس فریضہ سے غفلت برتی وہ امت اللہ کے نزدیک ملعون قرار پائی:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ٧٨ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ٧٩ ... سورة المائدة

''نبی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیوں کہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرز عمل جو انھوں نے اختیار کیا۔''

حقیقی مسلم وہ نہیں ہے جو صرف اپنی اصلاح کر کے مطمئن ہو جائے اور مگن رہے معاشرہ میں برائیوں اور گمراہیوں کو پھلتا پھولتا دیکھے اور اسے تکلیف نہ ہو۔ اسے یہ فکر دامن گیر نہ ہو کہ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے مسلسل جدوجہد ہونی چاہیے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جسے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے ارد گرد رہنے والے انسانوں کی اصلاح کی بھی فکر ہو۔ ایک سچے اور اچھے مسلمان کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ خود تو آگ میں جلنے سے تکلیف محسوس کرتا ہو اور دوسروں کو آگ میں جلتا دیکھ کر بے پروا بنا رہے۔ ایک سچے انسان اور مسلمان کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے۔"

وَالْعَصْرِ ١ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٣ ... سورة العصر

''زمانے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کی تشریح یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو حق اور اچھی باتوں کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے اپنے سوال میں جس صحیح حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مومن وہی شخص ہو سکتا ہے جو حق اور" نیک باتوں کی تلقین کرتا رہے اور جو باتیں باطل ہیں اور سماج کو نقصان پہنچا رہی ہیں ان کی روک تھام کے لیے ہمہ تن کوشاں رہے۔ اگر بہ زور طاقت روک سکتا ہے تو یہ سب سے بہتر صورت ہے۔ ورنہ اپنی زبان اور قلم سے کوشاں رہے۔ یہ بات تو ایک باہوش طاقت اور زندہ قوم کی علامت ہے کہ معاشرہ میں پھیلتی برائیوں پر خاموش نہ رہے بلکہ زور طاقت انھیں روکنے کی کوشش کرے۔ اگر امت مسلمہ کو اس بات کا احساس ہے۔ کہ اللہ نے

اسے بہترین امت کا خطاب دیا ہے تو اسے چاہیے کہ ان اوصاف کو اختیار کرے ان سے اس کا بہترین ہونا ثابت ہو سکتا ہے ۔

تاہم اس فریضہ کی ادائی کے سلسلے میں چند باتوں اور شرطوں کی رعایت نہایت ضروری ہے ۔ مذکورہ حدیث کے الفاظ خود ہی ان شرطوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جس برائی کی روک تھام مقصود ہو وہ "منکر" ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔ منکر اس برائی کو کہتے ہیں ۔جسے قرآن یا صحیح حدیث میں واضح طور پر اور مکمل صراحت کے ساتھ حرام اور (1) گناہ قرار دیا گیا ہو ۔

اس بنا پر وہ بُرائیاں جنھیں ہمارا ذہن برائی تصور کرتا ہو لیکن قرآن و حدیث میں انھیں گناہ نہیں قرار دیا گیا ہے منکر کے دائرے میں نہیں آئیں گی ۔ کیوں کہ جب تک اللہ اور اس کا رسول کسی برائی کو منکر نہیں کہتا اسے ہمارے منکر سمجھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا

اسی طرح وہ گناہ صغیرہ کہلاتے ہیں منکر میں شمار نہیں ہوں گے کیوں کہ اس طرح کے گناہ خود بہ خود معاف ہوتے رہتے ہیں اللہ فرماتا ہے ۔

اِن تَجتَنِبوا كَبائِرَ ما تُنهَونَ عَنهُ نُكَفِّر عَنكُم سَيِّـٔاتِكُم وَنُدخِلكُم مُدخَلًا كَريمًا ٣١ ... سورۃ النساء

''اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمھیں منع کیا جا رہا ہے ۔ تو تمھاری چھوٹی چھوٹی برائیوں کو ہم معاف کرتے رہیں گے ۔ اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے ۔''

اسی طرح بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں علماء کے درمیان اختلاف ہوتا ہے ۔ بعض انھیں گناہ قرار دیتے ہیں اور بعض انھیں جائز اور مباح تصور کرتے ہیں مثلاً سگریٹ کا استعمال کرنا یا موسیقی کے ساتھ گانا سنن وغیرہ اس طرح کے اختلافی مسائل بھی منکر کے دائرے میں نہیں آتے ہیں ۔ مجھے بتایا گیا کہ بعض سخت گیر قسم کے مسلمانوں نے دوکانوں میں گُھس کر گڈیوں اور کھیلنے کے مجسموں کو توڑنا پھوڑنا شروع کر دیا اور اس طرح ایک ہنگامہ برپا کر دیا وہ یہ حالانکہ ان کا یہ عمل صحیح نہیں تھا ۔ کیوں کہ گڈیوں اور مجسموں سے کھیلنا ایک اختلافی مسئلہ ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی نظر میں یہ بات ناجائز ہو لیکن بہت سارے علماء گڈیوں سے کھیلنے کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ جو مسلک وہ اختیار کریں ۔ سارے مسلمان وہی مسلک اختیار کر لیں ۔ آخر کس بنا پر وہ اپنی مرضی اور اپنا مسلک دوسروں پر تھوپ سکتے ہیں ۔

غرض کہ اس طرح کے اختلافی مسائل میں سخت گیر موقف اپنانا یا چھوٹے چھوٹے گناہوں کی روک تھام کے لیے طاقت کا استعمال کرنا کسی طرح مناسب اقدام نہیں ہے ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس منکر کی روک تھام مقصود ہو معاشرہ میں علانیہ طور پر اور کھلم کھلا اس کا ارتکاب ہو رہا ہو کیوں کہ حدیث کے الفاظ ہیں ۔ "من رای" جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ منکر لوگوں کی نظر میں آ جائے ۔ اگر (2) کوئی شخص چوری چھپے یا اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی منکر کا ارتکاب کر رہا ہے تو اسے بزور طاقت روکنا ہماری ذمے داری نہیں ہے ۔ یہ اس کے اور اس کے خدا کے درمیان کا معاملہ ہے ۔ چاہے تو اسے سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

"كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ"

''میری اُمت کا ہر شخص قابلِ معافی ہے سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا بُرائیاں کرتے ہیں ۔''

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کوئی شخص چوری چھپے اپنے گھر کے اندر کسی بُرائی میں ملوث تھا ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے برائی سے روکنے کے لیے چپکے سے اس کے گھر کے پچھواڑے سے اندر آ گھسے اور رنگے ہاتھوں اسے پکڑ لیا ۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے تو بُرائی کر کے صرف ایک گناہ کیا ہے ۔ لیکن آپ نے اس طرح میرے گھر میں گھس کر تین گناہ کیے ہیں ۔ پہلا گناہ یہ ہے کہ آپ نے تجسس کیا اور میری ٹوہ میں لگے رہے حالانکہ اللہ نے تجسس اور ٹوہ میں لگے رہنے سے منع کیا ہے ۔ دوسرا گناہ یہ ہے کہ آپ میرے گھر کے پچھواڑے سے چوری چھپے میرے گھر کے اندر آئے حالانکہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو گھر کے دروازے سے جاؤ ۔ تیسرا گناہ یہ ہے کہ آپ میرے گھر کے اندر بغیر میری اجازت اور بغیر سلام کیے داخل ہوئے ۔ حالانکہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو سلام کرو اور اس کی اجازت ملے تب اندر جاؤ ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور بہت نادم ہوئے ۔

۔تیسری شرط یہ ہے کہ بُرائیوں کو بزور طاقت روکنے والے کے پاس ان کی روک تھام کے لیے خاطر خواہ استطاعت اور مادی و معنوی وسائل مہیا ہوں اسی لیے مذکورہ حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جو شخص اس طرح کی 3 استطاعت نہ رکھتا ہو اسے طاقت کے بجائے صرف زبان کا استعمال کرنا چاہیے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طاقت کے زور پر برائیوں کی روک تھام کے لیے اس کی استطاعت اور اس کے لیے مناسب وسائل کا مہیا ہونا ضروری ہے ۔ بعض لوگ وسائل مہیانہ ہونے کے باوجود محض جذبات میں آ کر طاقت کا استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ یہ اقدام غیر حکیمانہ اور حدیث کے مزاج کے خلاف ہے ۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بُرائیوں کے دور ہونے کے بجائے نئے نئے مسائل اور فتنے جنم لیتے ہیں ۔

مناسب یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے ہی اثر و رسوخ والے علاقہ میں رہ کر برائیوں کی روک تھام کی کوشش کرے ۔ مثلاً شوہر اپنے گھر والوں کے درمیان رونما ہونے والی خرابیوں اور برائیوں پر نظر رکھے اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرے ۔ اسی طرح حاکم وقت اپنے ملک کے حدود میں رہتے ہوئے برائیوں کی روک تھام کے لیے قوت کا استعمال کر سکتا ہے ۔

۔اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ برائیوں کی روک تھام کے لیے طاقت کا استعمال کسی بڑی برائی یا فتنے کا سبب نہ بن جائے ۔ مثلاً خون خرابے کی نوبت آ جائے یا اس بات کا اندیشہ ہو کہ جنھیں بُرائیوں سے روکا جا رہا 4 ہے وہ ضد میں آ کر ہنگامہ مچائیں گے اور مزید برائیوں کا ارتکاب کرنے لگیں گے ۔ اسی لیے علمائے کرام کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا :

"لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِشِرْكٍ لَبَنَيْتُهَا عَلَى أَسَاسِ إِبْرَاهِيمَ"

''اگر تمہاری قوم شرک کے زمانے سے بہت قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کرتا ۔''

یعنی تمہاری قوم ابھی ابھی شرک سے نکلی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کی تو تمہاری قوم ضد میں آکر دوبارہ شرک میں واپس چلی جائے گی۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں ایسا ضرور کرتا۔

ذہنوں میں ایک اہم سوال یہ ابھرتا ہے کہ اگر برائیاں حکومت کی طرف سے پھیلائی جارہی ہوں تو کیا عوام حکومت کو ان برائیوں سے باز رکھنے کے لیے طاقت کا استعمال کرسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے غیر منظم اور جذباتی انداز میں قوت کا استعمال خطرناک نتائج کا باعث بن سکتا ہے۔ اس طرح کے اقدام سے پہلے ضروری ہے کہ عوام کے پاس حکومت پر اثر انداز ہونے کے لیے مناسب وسائل مہیا ہوں۔ دور جدید میں یہ مناسب وسائل حسب ذیل ہوسکتے ہیں۔

1۔ عوامی طاقت ہو، کسی بھی جمہوری ملک میں عوام کی آواز سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں ہوسکتی۔

2۔ ملک کے پارلیمنٹ میں عوام کا اپنا اثرورسوخ پیدا کرنا، کیونکہ پارلیمنٹ ہی سب سے موثر ادارہ ہے جسے قوانین بنانے، انھیں نافذ کرنے یا انھیں ختم کرنے کے اختیارات ہوتے ہیں۔

3۔ ملک کی فوج میں عوام کا اپنا اثرورسوخ بنانا کیونکہ حکومت کے لیے فوج کے مطالبات کو ٹھکرانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ اگر فوج چاہے تو حکومت کو اس کے غلط اقدامات سے روک سکتی ہے۔

آخر میں ان لوگوں سے کچھ کہنا چاہوں گا جو معاشرہ میں برائیوں کے خاتمہ کا نیک ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لیے کچھ عملی اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ صدیوں سے ہماری قوم جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے اس قوم میں بُرائیاں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ اس لیے جب تک بنیادی اور اصل برائیاں نہیں دور کی جائیں گی اس وقت تک خاطر خواہ نتائج سامنے آنے کا امکانات بہت کم ہیں۔ جن برائیوں کو بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ انھیں اگر بزور طاقت دور بھی کردیا جائے تو بھی بنیادی خرابیاں معاشرے کو ہمیشہ کھوکھلا اور تباہ وبرباد کرتی رہیں گی۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے بنیادی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ بنیادی خرابیوں سے میری مراد ہے۔ جہالت۔ ناخواندگی۔ صحیح دین سے ناواقفیت اور اچھے اور اعلیٰ کردار کا فقدان وغیرہ وغیرہ۔ جب تک ان خرابیوں کو دور نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت محفل موسیقی کو زبردستی بند کرانے۔ عورتوں کو زبردستی برقعے پہنوانے اور گڑیوں کی دوکانوں کو توڑنے پھوڑنے سے فائدہ کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کی جہالت دور کی جائے۔ ان میں دینی ودنیاوی تعلیم عام کی جائے۔ انھیں صحیح دین سے واقف کرایا جائے اور ان میں اعلیٰ کردار پیدا کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو چھوٹی چھوٹی اور غیر بنیادی خرابیاں خود بہ خود زائل ہوجائیں گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بُرائیوں کے ازالے کے لیے حکمت ودانائی کا استعمال بہت ضروری ہے۔ آج ہماری دعوتی سرگرمیوں کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم حکمت ودانائی کا راستہ اختیار کرنے اور نتائج پر نظر رکھنے کے بجائے محض جذباتی انداز میں دعوت کا کام کرتے ہیں۔ جہاں نرمی اختیار کرنی چاہیے وہاں بحث ومباحثہ اور تشدد پر اتر آتے ہیں بلکہ بسااوقات لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکمت کا راستہ اختیار کیا جائے اور نرمی اور رغبت دلانے والا انداز اپنایا جائے اور ہر قدم نتائج پر نظر رکھتے ہوئے اور موقع ومناسبت کا خیال کرتے ہوئے اٹھایا جائے۔ اللہ کا فرمان ہے:

ادعُ إِلىٰ سَبيلِ رَبِّكَ بِالحِكمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَجـٰدِلهُم بِالَّتى هِىَ أَحسَنُ ... ١٢٥ ... سورة النحل

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہت اچھے طریقے سے مباحثہ کیا کرو۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے ظالم وجابر حکمراں کے پاس بھیجنا تو انھیں بھی نرمی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

اذهَبا إِلىٰ فِرعَونَ إِنَّهُ طَغىٰ ٤٣ فَقولا لَهُ قَولًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَو يَخشىٰ ٤٤ ... سورة طه

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے سرکشی کی ہے۔ پس تم دونوں اس سے نرم باتیں کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرلے یا اس کے اندر ڈر پیدا ہوجائے۔''

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاوی یوسف القرضاوی

سیاسی مسائل، جلد: 2، صفحہ: 317

محدث فتویٰ